مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا ترجمان

ہفت روزہ ختمِ نبوت کراچی

جو شخص کسی قوم کی
مشابہت اختیار کرے
گا وہ انہی میں سے ہو گا۔
(حدیثِ رسول ﷺ)

جلد نمبر ۳
۱۲ جولائی تا ۱۹ جولائی بمطابق ۱۴ شوال تا ۲۰ شوال
شمارہ نمبر ۶

خصائل نبویؐ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات در باب اشعار

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمہ اللہ

۸۔ حدثنا احمد بن منیع حدثنا مروان بن معاویۃ عن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الطائفی عن عمرو ابن الشرید عن ابیہ قال کنت ردف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانشدتہ مائۃ قافیۃ من قول امیۃ بن ابی الصلت کلما انشدتہ بیتا قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیہ حتی انشدتہ یعنی بیتا فقال النبی صلی اللہ علیہ و ان کاد لیسلم۔

۸۔ حضرت شریدؓ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس وقت میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امیہ کے سو شعر سنائے ہر شعر پر حضورؐ ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا

فائدہ:۔ اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ اس کے اشعار میں توحید اعتراف قیامت وغیرہ امور حقہ و نصائح زیادہ ہوتے ہیں یہی وجہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کی تھی اور یہی وجہ اس کے قریب عن الاسلام ہونے کی تھی۔ بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس شعر پر تھا

لک الحمد والنعماء والفضل ربنا
فلا شیٔ اعلیٰ منک حمدًا ولا مجدًا۔

اے ہمارے رب آپ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور آپ ہی کی ملک تمام نعمتیں ہیں اور آپ ہی کے لیے سب فضیلتیں ہیں۔ نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی والا ہے۔

۹۔ حدثنا اسمٰعیل بن موسی الفزاری وعلی بن حجر والمعنی واحد قالا انبانا عبدالرحمٰن بن ابی الزناد عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان ابن ثابت منبرًا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او قال ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما ینافح او یفاخر عن رسول اللہ علیہ وسلم۔

حدثنا اسمٰعیل بن موسی وعلی بن حجر قالا حدثنا ابن ابی الزناد عن ابیہ عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ۔

۹۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابتؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھا کرتے تھے۔ تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفاخرۃ کریں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کریں یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں یہ شک راوی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ جل شانہ روح القدس سے حسانؓ کی امداد فرماتے ہیں۔ جب تک کہ وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا ترجمان

جلد نمبر ۳

ختم نبوت

شمارہ نمبر ۶

فہرست

۱ خصائل نبویؐ
حضرت شیخ الحدیث ۲

۲ ابتدائیہ
مولانا سعید احمد جلال پوری ۵

۳ مرزا قادیانی اپنے صحابی کی نظر میں
مولانا تاج محمد صاحب ۶

۴ قادیانی غیر مسلم ہیں
احقر کاشمیری ۹

۵ صدر پاکستان کے نام کھلا خط ۱۲

۶ علی نشو و نما کی بنیادیں
زاہد منیر عامر ۱۴

۷ انٹرویو پر ناقدانہ نظر
مولانا سعید احمد جلال پوری ۲۱

زیر سرپرستی
حضرت مولانا خان محمد صاحب
دامت برکاتہم سجادہ نشین
خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف

فی پرچہ
ڈیڑھ روپیہ

فون نمبر
۷۱۱۶۷۱

بدل اشتراک
سالانہ ـــ ۶۰ روپے
ششماہی ـــ ۳۵ روپے
سہ ماہی ـــ ۲۰ روپے

مدیر مسئول
عبدالرحمٰن یعقوب باوا

مجلس ادارت
مفتی احمد الرحمٰن
مولانا محمد یوسف لدھیانوی
ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر
مولانا بدیع الزمان
مولانا منظور احمد الحسینی

شعبہ کتابت
محمد عبدالستار واحدی

رابطہ دفتر
مجلس تحفظ ختم نبوت
جامع مسجد باب الرحمت ٹرسٹ
پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی ۳

بدل اشتراک
برائے غیر ممالک بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

سعودی عرب	۲۱۰ روپے
کویت، اومان، شارجہ، دوبئی، اردن اور شام	۲۲۵ روپے
یورپ	۲۹۵ روپے
آسٹریلیا، امریکہ، کنیڈا	۲۷۰ روپے
افریقہ	۳۱۰ روپے
افغانستان و ہندوستان	۱۶۵ روپے

ناشر
عبدالرحمٰن یعقوب باوا
طابع: کلیم الحسن نقوی انجمن پریس کراچی
مقام اشاعت: ۲۰/A سائرہ مینشن
ایم۔ اے جناح روڈ۔ کراچی۔

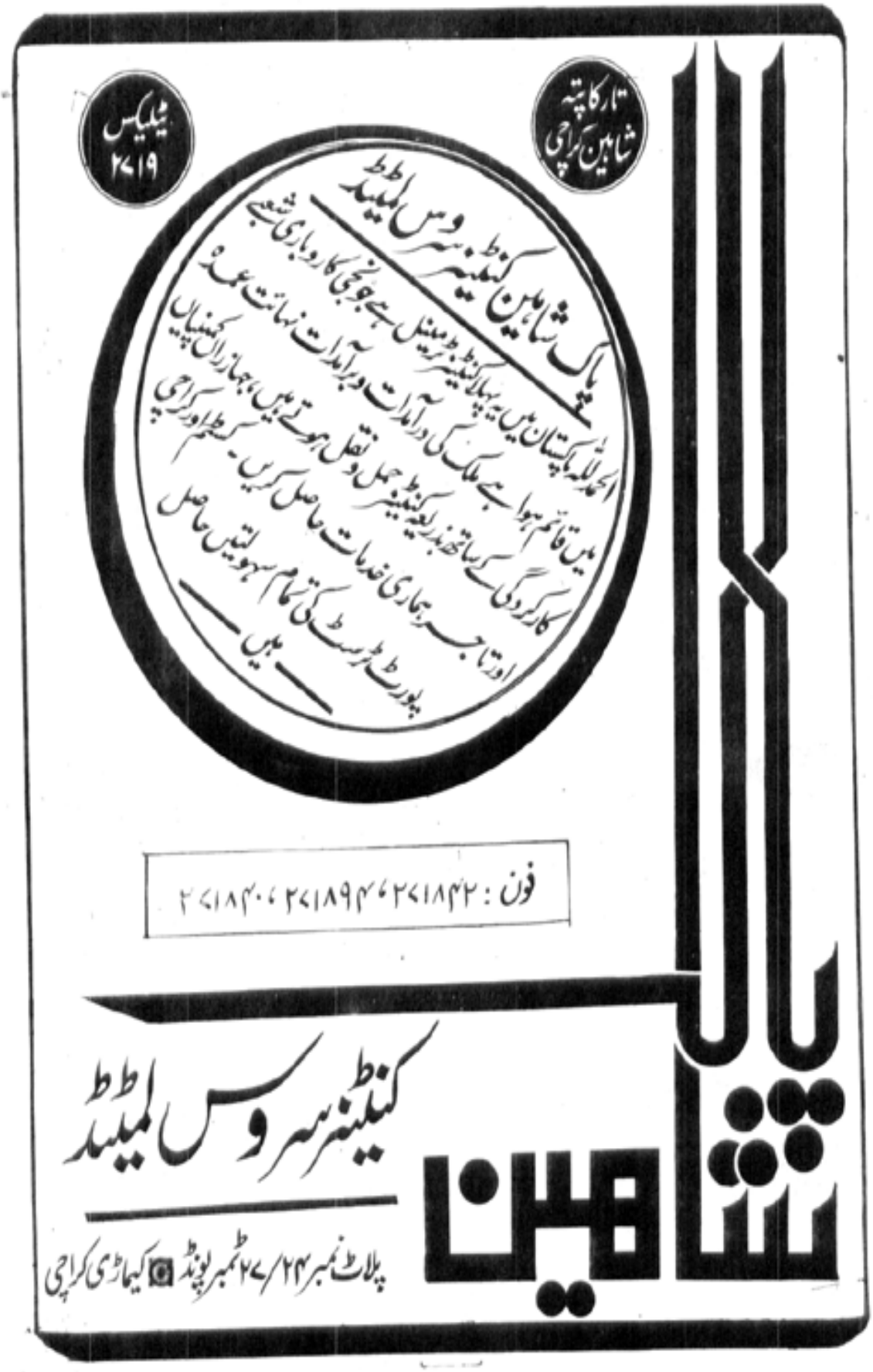
تار کا پتہ
شاہین کراچی
ٹیلیکس
۲۷۱۹
پاک شاہین کنٹینر سروس لمیٹڈ
الحمدللہ پاکستان میں یہ پہلا کنٹینر ٹرمینل ہے جو نجی کاروباری شعبے میں قائم ہوا ہے ملک کی درآمدات و برآمدات نہایت عمدہ کارکردگی کے ساتھ بذریعہ کنٹینر حمل و نقل ہوتے ہیں، جہازراں کمپنیاں اور تاجر ہماری خدمات حاصل کریں۔ کسٹم اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کی تمام سہولتیں حاصل ہیں
فون: ۲۷۱۸۴۲، ۲۷۱۸۹۴، ۲۷۱۸۴۰
شاہین
کنٹینر سروس لمیٹڈ
پلاٹ نمبر ۲۴/۲۷ ٹمبر پونڈ کیماڑی کراچی

اختر کاشمیری

قادیانی

غیر مسلم تھے
غیر مسلم ہیں
غیر مسلم رہیں گے!

قادیانی مسئلہ طے ہونے کے بعد علماءٔ کے فرائض بنیادی طور پر مختلف ہو گئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے اب کوئی جارحانہ بات نہیں ہونی چاہئے۔ پہلے قادیانیت کے خلاف ہمارے سامنے کئی محاذ تھے: ظاہر ہے مرزا غلام احمد کی نبوت استعمار کا ایک سوقیانہ مذاق تھا۔ مرزا صاحب کے جانشینوں نے ۹۳ برس میں ایک سوقیانہ مذاق کو استعماری ضرورتوں کے تحت ایک جماعتی شکل دی حتیٰ کہ ایک اکثریت کو منظم اقلیت کے تابع کرنے کا قوی ارادہ کر لیا۔ ادھر عالمی معیار کی بین الاقوامی ضرورتوں نے قادیانیت کو اپنے لئے مفید ہتھیار سمجھا۔ اس کی سرپرستی کی۔ پاکستان کے نام پر تمام اسلامی ملکوں میں خفیہ طور پر قادیانی پھیل گئے۔ علماء نے اس کا شدید احساس کیا۔ جنگ میں ہر قسم کی ضرب جائز ہوتی ہے نتیجۃً قادیانیت پر ہر قسم کی ضربیں لگانا علماء کا شعار ہو گیا۔ اب چونکہ قادیانیت باقاعدہ اقلیت قرار دیئے جا چکے ہیں۔ اس لئے علماء کو اپنے فرائض پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ اس ملک میں قادیانی ہمارے اپنے اندازہ کے مطابق چار پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں۔ جو لوگ اس جماعت میں علی بابا کے چالیس ساتھیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین ہزار ہوں گے۔ ان کے دلوں کو بدلنا ناممکن ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابو جہل اور ابو لہب کو نہ بدل سکے تو ہم ان دو تین ہزار غرض مندوں کی ماہیت قلب کیونکر کر سکتے ہیں؟ البتہ سادہ دل قادیانی جو مرزا غلام احمد اور ان کے جانشینوں کا محض اسلام کی وجہ سے شکار ہوئے انہیں محمد عربیؐ کے اسلام کی طرف لانا چنداں مشکل نہیں اگر علمائے امت اس مرض کو ہاتھ میں لے لیں اور صحیح اسلام اپنی تابدار سیرتوں کے ساتھ پیش کریں تو چار پانچ لاکھ قادیانیوں کا حقیقی اسلام کی طرف لوٹ آنا مشکل نہیں کیونکہ ان کے ذہن فریب خوردہ ہیں لیکن یہ چیز پیغمبرانہ دعوت کی احساس ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اگر ہم نے فریب خوردہ قادیانی عوام کے سامنے سیرت نبویؐ کا صحیح صحیح عکس پیش کیا اور اسوۂ رسول کے مطابق دعوت اسلام دی تو اس مسئلہ میں کوئی سی مشکل باقی نہ رہے گی ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہے کہ اسی فیصد قادیانی مرزا بشیر الدین محمود کے زمانے ہی سے بیزار ہیں وہ لوگ دین حقہ کی طرف لوٹ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اسلام کا صحیح نمونہ بن جائیں اور نفرت و انتقام کی بجائے دعوت وتذکیر کا صحیح راستہ اختیار کریں۔

اس موقع پر ہم صدارتی آرڈی نینس کے متن سے پیدا ہونے والے ایک نقطے کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ قادیانیوں پر جو جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ان میں مسلمانوں کی طرح اذان دینے پر بھی پابندی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ پابندی کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس پابندی کی ضرورت اس لئے سمجھی گئی کہ قادیانیوں کی مسلمانوں کے ساتھ کوئی مشابہت باقی نہ رہے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی عمارت کو مسجد کہیں گے تو بے خبر مسلمان ان کو بھی مسلمان سمجھ کر دھوکہ کھا سکتے ہیں

نعوذ باللہ من ذالک

متنبی قادیاں اپنے جلیل القدر صحابی کی نظر میں

مولانا تاج محمد صاحب، مدرس قاسم العلوم فقیروالی

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب پٹیالوی وہ مشہور و معروف شخصیت ہیں جو قریباً ۲۵ برس تک مرزا غلام احمد قادیانی کے خاص الخاص مریدین میں شمار ہوتے رہے۔ مرزا صاحب کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب پر اپنا فضل و کرم فرمایا کہ ۲۵ برس بعد مرزائیت سے تائب ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزائیت کے زمانے میں قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام "تفسیر القرآن بالقرآن" لکھی۔ مرزا غلام احمد کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کا کیا مقام تھا؟ اس کے لئے مرزا صاحب کے درج ذیل ارشادات ذہن میں رکھئے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "حدیث شریف میں آتا ہے کہ مہدی کے پاس ایک چھپی ہوئی کتاب ہوگی۔ جس میں اس کے تین سو تیرہ مریدوں کے نام درج ہوں گے۔ یہ پیش گوئی آج پوری ہوگئی۔ بموجب منشا حدیث کے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ تمام اصحاب خصلت صدق و صفا رکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں (پھر اس سے آگے مرزا صاحب ان تین سو تیرہ صاحبان کا نام درج کرتے ہیں۔ جن میں نمبر ۱۵۹ پر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب کا نام ہے۔ (انجام آتھم صـ۳۱۲ ضمیمہ صـ۴۳)

مرزا صاحب نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" مطبوعہ لاہور صـ۸۰۸ پر ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے کہ "حبی فی اللہ میاں عبدالحکیم خاں جوان صالح ہے۔ علامات رشد و سعادت اس کے چہرہ سے نمایاں ہیں۔ ذیرک اور فہیم آدمی ہیں۔ انگریزی زبان میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کئی خدمات اسلام ان کے ہاتھ سے پوری کرے گا۔"

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزائیت کے زمانہ میں قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی تھی۔ اس کے متعلق مرزا جی لکھتے ہیں کہ "ڈاکٹر صاحب کی تفسیر القرآن بالقرآن ایک بے نظیر تفسیر ہے، جس کو ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب نے کمال محنت کے ساتھ تصنیف فرمایا ہے۔ نہایت عمدہ شیریں بیان ہے۔ اس میں قرآنی نکات خوب بیان کئے گئے ہیں۔ یہ تفسیر دلوں پر اثر کرنیوالی ہے۔"

(اخبار بدر ۹ اکتوبر ۱۹۰۳ء بحوالہ نسانہ قادیاں)

چونکہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کو خدمت اسلام لینا منظور تھا۔ اس لئے ۲۵ برس مرزائیت میں ضائع کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو توبہ کی توفیق ملی۔ ڈاکٹر صاحب کے مرزائیت سے تائب ہونے کے اصل وجوہات کیا تھے؟ اس کا تذکرہ تو آگے آئے گا۔ پہلے ہم مرزا صاحب پر بحران کے طاری ہونے کی حالت کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ڈاکٹر صاحب کے مرزائیت کو چھوڑنے پر طاری ہوئی۔

لکھتے ہیں " ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا اگر تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا۔ کیونکہ وہ اس کا اہل ہی نہیں تھا۔ اس کی تفسیر میں ذرہ بھر روحانیت نہیں اور نہ ہی ظاہری علم کا کچھ حصہ۔"

(اخبار بدر ۷ جون ۱۹۰۶ء بحوالہ نسانہ قادیاں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام
علی من لا نبی بعدہ

محاسبۂ اعمال

کیا ہی وہ خوش گوار ساعتیں تھیں جب ماہ مبارک اپنی سعادتوں اور برکتوں سمیت ہمارے اوپر سایہ فگن تھا۔ اور ایمان کی بہار آئی ہوئی تھی۔ مساجد ذکر تلاوت اور تراویح سے منور تھیں اور اللہ تعالیٰ کے باتوفیق بندے اس ماہ مبارک کی دولتوں کو سمیٹنے اور دنیا بھر کی کدورتوں سے دل کو صاف کرنے میں مصروف تھے۔ اور کس قدر خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس ماہ مبارک میں حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے رحمت و مغفرت کا پروانہ حاصل کر لیا اور کس قدر بدنصیب ہیں وہ جو رحمت الٰہی کی ناقدری کرتے ہوئے خدائی مہمان کی شایان شان قدر دانی سے محروم رہے اور کتنے ایسے ہوں گے۔ جو "یا باغی الشر اقصر" (اے برائی کرنے والے تھم جا!) کے مسحور کن اعلان سے متاثر ہو کر حکم الٰہی کے سامنے اپنی تمام بری عادات کو چھوڑ کر رحمت الٰہیہ کے مستحق بن چکے ہوں گے اور بہت سے خوش نصیب ایسے بھی ہوں گے جو برکات رمضان سے اپنے تاریک مقدر کو روشن مستقبل میں تبدیل کر چکے ہوں گے۔ قابل صد تبریک ہیں وہ جنہوں نے اپنی گناہ کی زندگی چھوڑ کر اطاعت شعاری کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا۔ اور قابل صد افسوس ہے ان کا فعل جو باران رحمت کے باوجود تشنہ کام رہے۔ اگر دیکھا جائے تو صحیح معنی میں عید کی خوشیوں کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو حکم الٰہی کے احترام میں اپنے نفس کی مخالفت میں کامیاب ہو گئے اور یہی روزہ کی حقیقت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے کس قدر اس ماہ مقدس کی متبرک ساعتوں سے استفادہ کیا اور اپنی زندگی کو کہاں تک شریعت حق تعالیٰ کے مطابق ڈھال کر "یا باغی الخیر اقبل" کے زمرے میں شمار کر لیا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے اعمال کا محاسبہ کرے تو اسے یہ اندازہ لگانے میں کسی قدر دقت پیش نہیں آئے گی کہ ہم نے کس قدر اطاعت شعاری سے کام لیا ہے اگر ہم میں سے ہر ایک فرد اس کو اپنا روزمرہ کا معمول بنا لے تو یقیناً "حاسبو اخیل ان تحاسبوا" (محاسبہ سے پہلے اپنا محاسبہ کر لیا کرو) کے مصداق اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ لیکن اس کے برعکس ہم نماز روزہ کی ادائیگی کو تقویٰ اور محبوبیت الٰہی کا معیار سمجھتے ہیں چاہے نماز روزہ کی ادائیگی کے ساتھ بیسیوں گناہ کیوں نہ کر لیے جائیں ہم یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ نیکی ہو رہی ہے۔ حالانکہ جلب منفعت سے رفع نقصت پہلے ہے یعنی نفع کمانے سے پہلے نقصان کا تدارک ضروری ہے لہٰذا اگر ہم نے اپنے اعمال کا محاسبہ شروع کر دیا اور روزمرہ کے اعمال میں نیکی اور برائی کا تناسب دیکھنا شروع کر دیا تو یقیناً تقویٰ اور خود پارسائی کی خوش فہمی مبتلا رہنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت فرمودہ زندگی کے سالوں مہینوں، ہفتوں، دنوں، اور ساعتوں کی قدر کرنا آسان ہو جائے گا۔ پھر غیر رمضان، رمضان ایسا اور عام رات لیلۃ القدر ایسی قیمتی نظر آئے گی۔ لہٰذا اگر رمضان

باقی صـــ ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں

خدا کا ماننا + اعمال صالحہ + مرزا پر ایمان = + نجات
خدا کا ماننا + اعمال صالحہ − مرزا پر ایمان = − نجات
خدا کا ماننا + اعمال صالحہ = − یعنی ہیچ

پس آپ کا کلمہ یہ ہوا لا الٰہ الا المرزا کیونکہ نجات اللہ کے ماننے اور اعمال صالحہ پر نہیں بلکہ مرزا کے ماننے پر ہے۔ خدا کا ماننا اور اعمال صالحہ سب ہیچ ہیں۔

۵۔ آپ تو تمام دنیا کو جہنمی بنانے کے لئے اتنا بھی نہیں پوچھتے کہ تیرے پاس ہم پر ایمان لانے کے لئے کافی دلائل پہنچے یا نہیں۔ پھر تو کس وجہ سے مخالف ہے۔ کیوں نہ ہو آسمانی حکم جو ہوئے۔ کچھ تو سوچو۔ خداوند عالم۔ قرآن مجید اور اسلام کو کیوں ذلیل کرتے ہو۔ براہ خدا ایک دفعہ تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ کیا تمام دنیا کے ہر فرد و بشر پر آپ خود تبلیغ کر چکے؟ یا آپ کے مرید ہر فرد و بشر کو آپ کی مسیحیت کا قائل کر چکے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ عدم تبلیغ کے مجرم آپ اور آپ کی جماعت ہیں جو اپنے احکام کو دبائے ہوئے گھر بیٹھے ہیں۔ اور تمام دنیا کو سرکش اور کافر بنا رہے ہیں۔

۶۔ مرزا صاحب کا یہ مسئلہ کہ میرے ماننے کے بغیر نجات نہیں۔ رب العالمین کی ربوبیت عامہ اور الرحمان الرحیم کی رحمانیت و رحیمیت تامہ کو پامال کرنے والا اور کل عالم کی سعید فطرتوں اور نیک عملوں پر جھاڑو پھیرنے والا ہے۔ کسی نبی یا رسول نے آج تک یہ نہیں فرمایا کہ کل دنیا کے خدا پرست اور نیک لوگ قطعی جہنمی ہیں۔ جب تک کہ وہ مجھ پر ایمان نہ لائیں۔ خواہ ان پر میری تعلیم کی تبلیغ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ یہ مسئلہ کہ خدا کا ماننا اور اعمال صالحہ اس وقت تک ہیچ ہیں جب تک کہ مرزا کو مدار نجات نہ مانا جائے۔ محض قرآن و حدیث اور عقل سلیم کے خلاف ہے۔

۷۔ قرآن۔ حدیث اور تیرہ سو سالہ اسلام کو مردہ قرار دینا۔

۸۔ سید المرسلینؐ اور خلفائے راشدینؓ کی سخت توہین ہے کہ ان کے مدفن تو بہشتی مقبرہ نہ بنیں اور غلام احمد کا مدفن بہشتی مقبرہ بن جائے۔

۹۔ بے چارے مولویوں کو جو محض اسلام کی خاطر آپ کے خلاف کر رہے ہیں ان کو ولد الحرام۔ خنازیر۔ کور چشم۔ شیطان۔ حرامزادہ، فرعون، اوباش، لومڑی، دجال، چوہڑے چمار، سؤر اور بندر نہ معلوم کیا قرار دینا کیا یہ فعل مرزا صاحب کا واجب الاطاعت ہے ہم دن رات لوگوں کو فحش گالیاں نکالا کریں یا قرآن کریم کی اطاعت کریں۔

۱۰۔ اس امر میں کیا مرزا صاحب کی متابعت چاہیئے یا احکام قرآنی اور ارشادات سید المرسلینؐ کی اطاعت جن میں منع کی بابت سخت تاکید ہے۔

۱۱۔ کیا سب مسلمان ایسا ہی کریں یا احادیث صحیحہ کی تہذیب سے ڈریں۔

۱۲۔ اپنی کتابوں کے لئے رقم زکوٰۃ طلب کرنا۔ اور کتابوں کی قیمت اصل مصارف سے سہ چند اور چہار چند رکھ کر ان کا نفع اپنے صرف میں لانا۔

۱۳۔ ازالہ اوہام میں مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر طنزاً کہا گیا ہے کہ یہ بھی کچھ پیشگوئی ہے کہ زلزلے آئیں گے۔ مری پڑے گی۔ لڑائیاں ہوں گی۔ قحط پڑیں گے۔ پھر ایسی پیشگوئیوں کو عظیم الشان بتایا جا رہا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے معجزات کو مسمریزمی کرشمے بتایا۔

۱۴۔ البدر ۲۴ جنوری میں شائع کیا کہ ہر ایک بیعت کنندہ پر فرض ہے کہ حسب توفیق ماہواری یا سہ ماہی لنگر خانہ میں چندہ روانہ کرتا رہے۔ ورنہ ہر تین ماہ کے بعد اس کا نام بیعت سے خارج ہو گا۔ کیا تمام انبیاء ایسے ہی پیٹ گزار تھے۔ اس حساب سے جو بے چارہ نادار چندہ نہ دے سکے وہ گویا اسلام سے خارج اور جہنم میں جھونکا جائے گا۔

میں نے چند ضروری تجاویز پر ایک ضروری خط و کتابت شروع کی۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ مرزا قادیانی نے مجھ کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔ یہ خط و کتابت علیحدہ بنام الذکر الحکیم نمبر ۴ شائع ہو گئی ہے۔ چونکہ ۱۳ مئی کو میں نے ایک خواب کی بنا پر یہ بھی شائع کر دیا تھا کہ جب تک مرزا صاحب اپنی موجودہ زیادتیوں کا علاج کریں میں اپنی بیعت واپس لیتا ہوں۔

محترم قارئین کرام: یہ تھیں وجوہات جن کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب پٹیالوی مرزائیت سے تائب ہوئے۔

سوچنے کا مقام ہے۔ ڈاکٹر صاحب جب تک مرزائی رہے ان کی تفسیر ایک بے نظیر تفسیر تھی۔ عمدہ شیریں بیان تھی۔ دلوں پر اثر کرنے والی تھی۔ جب مرزائیت سے تائب ہوئے تو مرزا صاحب نے ان کی مذمت شروع کر دی کہ ایسا تھا ویسا تھا۔ گنجا تھا۔ کانا تھا، لنگڑا تھا، لولا تھا۔ تفسیر لکھنے کا نا اہل تھا۔ روحانیت نزدیک نہ پھٹکی۔ ظاہری علم سے کچھ حصہ نہ پایا۔

ڈاکٹر صاحب نے مرزائیت سے تائب ہونے کے وجوہات "تفسیر القرآن بالقرآن" کے آخری ایڈیشن میں صـ۲۲۴ تا صـ۲۹۰ یا عیسیٰ انی متوفیک کی تفسیر کے تحت تحریر فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان درج کرنے سے پیشتر مولوی دوست محمد شاہد مولف "تاریخ احمدیت" کا بیان بھی پڑھ لیجئے۔ جو تاریخ احمدیت جلد چہارم صـ۱۶۸ پر درج ہے کہ "ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے جو اپنے عقیدہ کی وجہ سے کہ نجات کا دار و مدار صرف ایمان توحید و قیامت پر ہے جماعت سے خارج کیا گیا۔" تاریخ احمدیت جلد چہارم صـ۱۶۸ کی مندرجہ بالا عبارت ہی دراصل اس مضمون کی محرک ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مرزائیت سے تائب ہونے کے وجوہات خود ان کی زبانی سنئیے۔

لکھتے ہیں۔ "عرصہ ۲۵ سال تک میرا یہی عقیدہ رہا کہ مسیح علیہ السلام جو رسول تھے فوت ہو چکے ہیں۔ اور بڑی ارادت کے ساتھ میں مرزا صاحب کا مرید رہا۔ ان کے عیب اور خطاؤں کو بشری کمزوریوں پر محمول کرتا رہا۔ عالم قرآن اور مزکی خلق ہونے کی نسبت خالی دعوے سنتا رہا۔ مگر نہ کبھی قرآنی مشکل ہی ان کی طرف سے حل ہوئی۔ نہ کوئی نکتہ معرفت ایسا سنا جو مجھے اپنے طور پر معلوم نہ ہوا ہو۔ نہ ان کی صحبت میں تزکیہ نفس اور رجوع الی اللہ کے خاص تاثیر دیکھی۔ جو غیبت میں میسر نہ آئی۔ پھر بھی حسن عقیدت کے طور پر قریباً بیس روپے ماہوار سے حتی الامکان ان کے لنگر، سکول، اخبارات اور کتب وغیرہ کی امداد کرتا رہا۔ اردو انگریزی تفاسیر اور تذکرۃ القرآن ہزاروں روپیہ کے صرف سے ان کی تائید میں شائع کرتا رہا۔ حسن عقیدت کے غلبہ نے کبھی کچھ سوچنے نہ دیا۔ ذکر مرزا کی وجہ سے عام مسلمان میری تفاسیر اور دینی رسائل سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اکثر منصف مزاج اور غیر متعصب اشخاص نے جو میری دینی تصانیف کو پڑھا تو وہ ان سے بہت مستفید اور محظوظ ہوئے۔ اور میرے نام لکھتے رہے کہ مرزا صاحب کے متعلق جو مضامین ان تفاسیر میں ہیں ان کو نکال دیں۔ تاکہ عام مسلمان اس سے مستفید ہو سکیں۔ مگر میں نے ان کی تحریروں پر کچھ خیال نہ کیا۔ جماعت (مرزائیہ) کثیر ہو جانے کی وجہ سے مرزا صاحب کی شخصیت اور کبریائی حد تک بڑھتی گئی اور ان کی جماعت میں تمام اسلام پر مرزا پرستی غالب ہو گئی۔ خداوند عالم اور تمام انبیاء کا استہزاء ہونے لگا۔ جماعت احمدی میں خاص مرزا کے اذکار کا جوش ایسا غالب ہو گیا کہ تسبیح تقدیس اور تحمید تمجید باری تعالےٰ قریب قریب مفقود ہو گئے یا محض برائے نام رسمی طور پر رہ گیا۔ اور سوائے اس ایک مسئلے (حیات و وفات مسیح علیہ السلام) کے اور تمام قرآنی تعلیموں کا چرچا جاتا رہا اور جس ایک ہی مسئلہ کا مذاق رہ گیا کہ گویا پرستش باری تعالےٰ کی بجائے مرزا صاحب کی پرستش قائم ہو گئی۔ اور عملی طور پر ان کا کلمہ الا المرزا ہو گیا۔ کیونکہ الٰہ میں معبود و مطلوب دونوں ہے۔ جس قدر میں اس بات پر زور دیتا تھا کہ کوئی شخص کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ قرآن مجید کے تمام مسائل پر علی التناسب زور نہ دیا جائے ایک ہی مسئلہ (حیات و وفات مسیحؑ) پر تن جانا۔ اور اسی کو تمام امور پر غالب اور مقدم کرنا ایک قسم کا جنون اور سخت فسادات کی بنا ہے۔ مگر وہ مرزا کے دیوانے کب سنتے تھے۔

جن بناؤں پر میں عقیدہ مسیحیت و مہدویت و مجددیت مرزا صاحب سے تائب ہوا ہوں۔ وہ مختصراً حسب ذیل ہے۔

۱۔ تمام مسلمانوں کو جو مرزا صاحب کو نہ مانیں خارج از اسلام اور جہنمی قرار دینا۔ اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کو حرام بتلانا۔

۲۔ جب اہالیان سیالکوٹ نے ایک تحریک پیش کی کہ لنگر کی آمد و خرچ کے اہتمام کے واسطے ایک کمیٹی مقرر ہونی چاہیئے تو آپ (مرزا) نے طیش میں آکر جواب دیا کہ میں کسی کا خزانچی ہوں۔

۳۔ جب یہ تحریک پیش ہوئی تو لنگر کا انتظام توجہ طلب ہے۔ مہمانوں کو تکلیف ہوتی ہے تو از خود رفتہ ہو کر جواب دیا کہ کیا میں بھٹیاری ہوں۔

۴۔ یہ (مرزا غلام احمد) ایمان ملک یوم الدین کا معطل کنندہ ہے۔ کیونکہ نجات مرزا غلام احمد کے ماننے پر ہی منحصر ہے۔ غور کرو مساوات جبریہ ہے۔

وہ اذان دیں گے تو اس سے بھی کسی کو دھوکہ ہو سکتا ہے اور وہ اذان سن کر ان کی عبادت کو مسجد سمجھتے ہوئے اس میں جا سکتا ہے۔ اگر یہ درست ہے اور قادیانیوں کی مسجد اور اذان سے ان کی مسلمانوں کے ساتھ مشابہت باقی رہتی ہے تو یہی مشابہت تو نماز سے بھی قائم رہتی ہے۔ پھر عقل اور منطقی بات یہ ہے کہ جس طرح ان کی اذان پر پابندی ہے۔ اسی طرح ان کی نماز پر بھی پابندی ہونی چاہیئے اور انہیں ایسا کوئی کام عبادت کے نام پہ کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ جو مسلمانوں کی عبادت سے مشابہ ہو۔ اگر اس طرح ہر عمل پہ پابندی عائد کی گئی تو قادیانی نوجوان اپنے مذہب کے بارے میں غور و فکر کر سکیں گے اور اس غور و فکر کے نتیجے میں انہیں اسلام کی طرف رجوع کرنے کا موقع ملے گا۔ البتہ پرانے قادیانیوں سے اس بات کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اگر قادیانیوں پہ عائد شدہ پابندیوں کے بارے میں انتظامیہ نے اپنا کردار ادا کیا تو بیشتر لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور جو مسلمان نہیں ہوں گے۔ وہ اپنا قبلہ بھی خود ہی تبدیل کر لیں گے۔ اس طرح ان کے کسی عمل کی مسلمانوں سے مشابہت نہیں رہے گی۔

مزید برآں صدر مملکت کو اس بات کا بھی اعلان کرنا چاہیئے کہ ان کا جاری کردہ آرڈی ننس مؤثر بہ ماضی ہوگا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو آج تک قادیانی اسلام کے خلاف جو لٹریچر چھاپ رہا ہے وہ اسی طرح موجود رہے گا، اس لٹریچر کی موجودگی بھی گمراہی ہے وہ نئی کتابیں نہیں چھاپیں گے پرانی کتابیں، پچھلی تاریخوں میں چھاپ کر تقسیم کرتے رہیں گے اگر یہ صورت حال جاری رہی اور صدارتی آرڈی ننس مؤثر بہ ماضی نہ ہوا تو اتنا بڑا - تاریخی فیصلہ محض اپریل فول بن کر رہ جائیگا یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے"۔ وزیر بخش صادق آرڈی ننس کا معاملہ خالصتاً دینی ہے لیکن اس سے ملکی سیاست میں بھی نمایاں تبدیلی آئے گی، کیونکہ اس ملک میں کوئی سیاسی تحریک مسجد سے باہر کامیاب نہیں ہو سکتی اور ماضی قریب میں ایم آر ڈی کی جو تحریک اٹھی اس کو بھی بعض دینی شخصیات کی وجہ سے کچھ مسجدوں میں پذیرائی مل گئی تھی، جبکہ آنے والے وقت میں ایسا نہیں ہو سکے گا۔ اور جو مذہبی شخصیات کسی سیاسی تحریک سے ہے۔ محراب و منبر کو استعمال کریں گی

ان کا وزن مسلمانوں کی بجائے قادیانیوں کے پلڑے میں چلا جائے گا اس طرح وہ مسلمانوں میں اچھوت بن کر رہ جائیں گے ہم یہ نہیں کہتے کہ ضیاء الحق صاحب اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل نہ کریں ہماری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اقتدار عوامی نمائندوں کو ملے لیکن "عوامی نمائندے کی تعریف کیا ہے۔!

اس کا صرف اور صرف یہی جواب ہے کہ ہر وہ رہنما جو عوامی خواہشات کے مطابق کام کرے۔ وہ عوام کا نمائندہ ہے، اس سے قطع نظر کہ اس کی یونیفارم کیسی ہے! وہ معروف انداز میں برسراقتدار آیا ہے یا اس سے مختلف انداز میں۔!

عوامی نمائندوں کو سرخاب کے پر لگے ہوئے نہیں ہوتے، نہ ہی کوئی عوامی نمائندہ سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے سر پر کوئی سینگ ہوتے ہیں۔ عوامی نمائندہ انسان ہوتا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ اقتدار میں رہتے ہوئے عوام کے جذبات اور خواہشات کے تحت کام کرے۔

اگر ضیاء الحق صاحب یا کوئی بھی دوسرا شخص اس معیار پہ پورا اترتا ہے تو اس کے جسم میں سرخاب کے پر تلاش کرنا حماقت ہوگا عقل و شعور کا تقاضا ہے کہ اس کی بشری کمزوریوں کے ساتھ ساتھ اس کی فطری خوبیوں کو بھی تسلیم کیا جائے۔

جناب ضیاء الحق کے اس اقدام سے نہ صرف ایم آر ڈی کی تحریک اٹھانے کے قابل نہیں رہی بلکہ دوسری جذباتی سیاسی قوتوں کو بھی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا اور ضیاء الحق کو خود قدرت شکست نہ دے تو سیاست دان اسے شکست نہیں دے سکتے حالات نے ہمیں یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ اس پہ قسمت کی دیوی ہی مہربان نہیں۔ قدرت بھی مہربان ہے۔

ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ جناب ضیاء الحق اسلامی نظام کے سلسلے میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کر گزریں۔ اس سلسلے میں قادیانیوں، کیمونسٹوں اور دوسرے اسلام دشمن سے مت ڈریں۔ یہ لوگ اس ملک میں حقیر اقلیت ہیں اگر آج ان کی موت واقع ہو جائے تو ان کی موت پر کوئی کتا بھی بھونکنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ تاہم جناب ضیاء الحق اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہ کریں کہ ان کا اصل سرمایہ اسلام ہے۔ اسلام کے حوالے سے صرف اسلامی قوتیں ہی ان کا بازوئے شمشیر زن بن سکتی ہے وہ اپنے اردگرد دینی قوتوں کو جمع کریں جو لوگ

مسلم انلظرت ہیں وہ یقیناً ان کی بات مانیں گے . جو بدفطرت افراد ہیں وہ ان کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن ہی نہیں . وہ کسی اقدام کا حوصلہ بھی نہیں کر سکتے . کیونکہ پاکستان کے کروڑوں مسلمان ان کے ساتھ ہیں . عالم اسلام ان کے ساتھ ہے بلکہ خدا کی مدد اور مشیت بھی ان کے ساتھ ہے ۔

انہوں نے تمام یہودی اور قادیانی قوتوں کی سازشوں کے باوجود اہل اسلام کی خواہشات کو سامنے رکھتے ہوئے جو فیصلہ کیا ہے وہ ایک تاریخی فیصلہ ہے ۔ اب تاریخ کے اوراق سے ان کے نام کو مٹانا ممکن نہیں . اس کے نام کو مٹانے کی جتنی کوشش کی جائے گی یہ اتنا ہی نمایاں ہو گا . صدر ضیاء کو کیا کرنا چاہیئے ، یہ ہم سے بہتر طور پر وہ خود ہی جانتے ہیں ، شاید انہیں کسی مشورے کی حاجت نہ ہو لیکن جس طرح ہم نے یہ رائے دی حاجت نہ ہو . لیکن جس طرح ہم نے یہ رائے دی ہے وہ دینی قوتوں کو اپنے ساتھ ملائے . اسی طرح ہم یہ رائے بھی دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے باوردی ساتھیوں کو پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں منظم کریں ۔

ہمارے نزدیک صرف ضیاء الحق ہی مبارک باد کے مستحق نہیں ، ان کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے ، ملت اسلامیہ ان کی اور ان کے تمام رفقاء کی ممنون ہے ، قوم ان کی جرأت کو سلام کرتی ہے اگر ان کی فوجی وردیاں ان کے کام میں رکاوٹ ہیں تو وہ پورے اعتماد کے ساتھ سادہ لباس پہن کر بھی سامنے آ سکتے ہیں قوم ان کو اس حیثیت میں بھی قبول کرے گی بلکہ شاید اب وہ وقت آ چکا ہے کہ وہ اس تکلیف کی زحمت ہی نہ کریں اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ دیں کہ وہ ملک پر بندوق اور وردی کے زور پر حکومت کرتے ہیں ۔

اگر وہ وردی کے بغیر حکومت کریں گے تو اسے پاکستان کے عوام نیکی شرافت ، دیانت اور اسلام کی اعلیٰ روایات کی حکومت سمجھیں گے اس کے ساتھ ہی ہم یہ کہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ حضرات اگر واقعی دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو آپ کی بہتر ۲ فیصد نوجوان نسل ہے وہ نوجوان جن کے سینے اسلام کی محبت سے سرشار ہیں ۔

ضرورت ہے کہ ان نوجوانوں پر عائد شدہ پابندیاں ختم کی جائیں اور نوجوان خون کو اپنا کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے ان نوجوانوں میں آپ طارق بن زیاد اور قتیبہ بن مسلم جیسے غیور سپوت تلاش کر سکتے ہیں پاکستان کے اکثر نوجوان اسلام کے شیدائی ہیں اگر چند سرپھرے شرارت کا الاؤ بھڑکاتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہماری تمام نسل سازش ہے اس باب میں آپ نے ماضی قریب میں جو فیصلے کئے ہیں . ان کو حرف آخر نہ سمجھئے بلکہ ان فیصلوں پر نظر ثانی کیجیے ! یہ نوجوان خون ملک اور قوم کی امانت ہے یہ ملک اور قوم کے کام آئے گا ۔

آج پوری قوم آپ سے مزید اہم اور انقلابی فیصلوں کی توقع رکھتی ہے ، آپ آج فیصلوں کی توقع رکھتی ہے آپ ان کے فیصلوں کے ذریعے تاریخ میں ایک ہیرو بن سکتے ہیں اور دوسرے اندیشے وغیرہ آپ کو زیرو بھی بنا سکتے ہیں ۔

پاکستان ، پاکستان کے عوام . پاکستان کے در و دیوار اور پاکستان کے ہر زندہ شے . مصور پاکستان کی زبان میں آپ سے مخاطب ہیں کہ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ان کی آواز سنیئے ، اس پر غور کیجیئے ، اس کا جواب دیجیئے اور اس پر عمل کیجیئے ، خدا آپ کا حامی و ناصر ہو ، خدا آپ کو استقامت اور محمد کی شفاعت نصیب فرمائے آمین ۔

آمین ۔ آمین

بشکریہ ہفت روزہ "چٹان" ۳۰ اپریل ۱۹۸۴ء

فرمانِ رسولؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ مجوسیوں کی مخالفت کرو ۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ۔

صدر پاکستان کے نام کھلا خط

جناب عالی!

آپ نے قادیانی آرڈیننس نافذ فرما کر مسلمانوں کے دل جیت لیے ہیں اور مسلمانوں کی دیرینہ آرزو پوری کر دی ہے یقیناً آپ کو اللہ تعالیٰ اس نیک کام کا اجر دے گا پچھلے دور حکومت میں قادیانیوں کو غیر مسلم تو قرار دے دیا گیا تھا لیکن اس اعلان کی حیثیت ایک رسمی سی تھی نہ تو قادیانی مانتے تھے اور نہ ہی ان کی سرگرمیوں میں کوئی فرق آیا تھا اور ان کی دہاندلیاں اسی طرح جاری تھیں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی زیادتیاں عام تھیں۔ اس کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ جس کو دیکھ کر آپ کو اندازہ ہو گا کہ کیسی کیسی دہاندلیاں ہو رہی تھیں۔

عرض ہے کہ ٹیکسٹائل کمشنر آفس آف انڈسٹریز میں فیلڈ انویسٹیگیٹر کے عہدے پر فائز ہونے کے لیے کم از کم مطلوبہ قابلیت F.Sc اور ٹیکسٹائل میں ڈپلومہ ہونا ضروری ہے لیکن مبشر احمد (قادیانی) کو مطلوبہ قابلیت پوری نہ ہونے کے باوجود رکھا گیا۔ لیکن مسلمان جو مطلوبہ قابلیت سے بھی کچھ زیادہ قابلیت رکھتے تھے اس ملازمت سے محروم رہے جو ایک کھلی دہاندلی اور مسلمانوں کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔

دوران ملازمت مبشر احمد (قادیانی) کی سرگرمیاں بھی غیر اسلامی رہیں اور فرائض سے غفلت اور ملک دشمن سرگرمیاں رہیں جیسا کہ قادیانی کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ان کی (A C R) سالانہ خفیہ رپورٹ میں یہ الفاظ لکھے گئے کہ مبشر احمد (قادیانی) اپنے فرائض سے وفادار نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے ملک سے بھی وفادار نہیں۔

قادیانیوں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ مبشر احمد کی مزید ترقی کے لیے کوشش کی اور مزید دباؤ ڈالا جس کے نتیجے میں ان کی درخواست ڈپٹی اسسٹنٹ ڈائریکٹر Dy Asst Director کے عہدے کے لیے پبلک سروس کمیشن کو بھجوا دی۔ حالانکہ ایسے شخص کی درخواست ترقی کے لیے بھیجنی نہیں چاہیے تھی جو اپنے فرائض سے وفادار نہ ہو اور مزید یہ کہ درخواست میں مبشر احمد کو قادیانی ہوتے ہوئے مسلمان لکھا گیا۔ اسی طرح قادیانیوں نے پھر مسلمانوں کا حق مارنے کی کوشش کی۔ اسی دوران دفتر میں ایک سینارٹی لسٹ Seniority List شائع کروا دی گئی کہ مبشر احمد سینئر انویسٹیگیٹر ہیں جبکہ مبشر احمد تو اپنے موجودہ عہدہ کے بھی اہل نہیں تھے ان کو سینئر اس لیے کیا گیا کہ کمیشن میں ان کی Seniority انکے سلیکشن Selection میں معاون ثابت ہو۔

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ مبشر احمد نے قادیانی ہونے کے باوجود کبھی اپنے آپ کو قادیانی نہیں لکھا بلکہ مسلمان لکھتا رہا اور ظاہر کرتا رہا۔ اور مسلمان بن کر تمام فائدے حاصل کرتا رہا۔ جب پچھلی حکومت نے قادیانیوں سے Declaration فارم بھروائے تو اس میں بھی مبشر احمد نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا۔ لیکن جب یہ بات کنفرم ہو گئی کہ یہ صاحب قادیانی ہیں اور یہ اطلاع وفاقی محتسب کو دی گئی تو یہ بات کسی طرح مبشر احمد کو پتہ چل گئی اور انہوں نے اپنے آپ کو یکم مئی سے قادیانی Declare کر دیا جب محکمہ نے یہ پوچھا کہ یکم مئی سے پہلے آپ کیا تھے

تو جواب میں مبشر احمد نے لکھا کہ میں پیدائشی طور پر قادیانی ہوں۔ یعنی اس سے ظاہر ہوا کہ اب تک چھپا رہا یہ مسلمان بن کر فائدہ اٹھاتے رہے اور مسلمانوں کی جڑ کاٹتے رہے۔ اور جب ظاہر ہوگیا تو اپنے کو قادیانی ظاہر کر دیا جو کہ کھلی دھاندلی ہے۔ حالیہ آرڈیننس کے تحت جو شخص احمدی/قادیانی ہو اپنے کو مسلمان ظاہر کرے ۳ سال کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ دفتر میں قادیانیوں کے دباؤ کی وجہ سے مبشر احمد کو اب بھی غیر ضروری مراعات دی جا رہی ہیں اور ضرورت سے زیادہ ہمدردی کی جا رہی ہے اور اہلیت نہ ہوتے ہوئے بونس (Honoraria) دیا گیا۔ اور وجہ جو اضافی کام لکھی گئی ہے اس کام سے مبشر احمد کا ذرہ برابر بھی تعلق نہیں رہا بلکہ اس نے چھوا تک نہیں اور اس کام کی وجہ لکھ کر مبشر احمد کو (Honoraria) دیا گیا ہے جو سراسر ناانصافی اور کھلی دھاندلی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ ہماری مرضی ہم جو کچھ کریں۔ محتسب اعلیٰ کو لکھ دو یا ضیاء کو لکھدو کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ضیاء ہوتا کون ہے کسی کو غیر مسلم کہنے والا وغیرہ وغیرہ۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ہم درخواست کرتے ہیں کہ اس معاملہ کی تحقیق کرائی جائے اور مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرایا جائے ان کو ان کا حق دیا جائے اور قادیانیوں کے ناسور سے بچایا جائے اور مندرجہ ذیل کی وضاحت کی جائے۔ کہ

۱۔ مطلوبہ قابلیت پوری نہ ہونے کے باوجود مبشر احمد کو کیسے ملازمت دی گئی جبکہ دوسرے مسلمان امیدوار بہتر تعلیم یافتہ موجود تھے۔ اس میں قرار واقعی متعلقہ افسران کو جان بوجھ کر کوتاہی کرنے پر سزا دی جائے۔

۲۔ مبشر احمد کی درخواست (DY Asst Director) کے لیے پبلک سروس کمیشن کو کیوں بھیجی گئی جبکہ وہ موجودہ عہدہ کے لیے بھی تعلیمی قابلیت پر پورا نہیں اترتا تھا۔ اور ان کی سالانہ خفیہ رپورٹ میں بھی ان کے لیے اچھے ریمارکس نہیں تھے۔ جبکہ ایسی صورت میں جب ACR میں (Adverse Remark) ہوں مزید ترقی کے لیے درخواست نہیں بھیجنی چاہیے تھی یقیناً یہ مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

۳۔ مبشر احمد کے خلاف سرکاری ملازمین کے قانون کے مطابق کاروائی کی جائے اور موجودہ آرڈیننس کے تحت اسے قادیانی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے پر تین سال جیل بھیجا جائے اور دفتر میں غلط حلف نامہ داخل کرنے پر (Misleading) کا (case) بنایا جائے اور سزا دی جائے۔

بقیہ: ملی نشوونما کی بنیادیں

OIL FROM THE HOLY LAMP WITCH WAS KEPT BURNING UPON THE TOMB OF THE CHRISTIN TERUSALEM."

ترجمہ: "قبلائی خان خود عیسائی نہ تھا بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں دلچسپی لیتا تھا۔

اس نے انہیں (مارکو پولو اور مافیو پولوجن کا ذکر پیچھے آ رہا ہے) واپس جانے اور اپنے ملک کے عوام میں تبلیغ کرنے کے لئے سو مشنریاں لانے کے لئے کہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار پر رکھے ہوئے مقدس چراغ سے کچھ تیل لانے کے لئے بھی کہا جو یروشلم میں جلتا ہوا محفوظ تھا۔"

INTER MEDIATE ENGLISH BOOK—I (SHORT STORIES) EDITED BY MRS. S. M. SULERI AND MUHAMMAD TARIQ WASEEM PUBLISHED FOR PUNJAB TEXT BOOK BOARD LAHORE. EDITION DATE OF PRINT JUNE 1974 PAGE 19

اب اس پیراگراف سے ظاہر ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ تب ہی یروشلم میں ان کا مزار ہے اور حیات مسیح کے متعلق عقیدۂ امت کی وضاحت گذشتہ سطور میں کی گئی ہے کہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ع زندہ ہیں اور قرب قیامت میں دوبارہ واپس آئیں گے۔

یہ عقیدہ جو اس سبق میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور ان کا مزار بھی موجود ہے عیسائیت کا عقیدہ ہے اور اسی عقیدہ کو برصغیر میں پیدا ہونے والی ایک برطانوی ساخت کی نبوت کے مدعیان یعنی مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین نے اختیار کیا ہے جو کہ بالاجماع امت خارج از اسلام ہیں۔

جاری ہے

تحریر:۔ زاہد منیر عامر

ملی نشوونما کی بنیادیں

ملی نشو و نما کا دارو مدار افراد قوم کی انفرادی زندگیوں پر ہوتا ہے۔ افراد کی انفرادی زندگی ہی دراصل وہ جوہر ہے جو ایک اچھی یا بری قوم کو تشکیل دیتا ہے اور ان کی انفرادی زندگی ہی اس قوم کے نظریات و اعمال کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر کسی معاشرے کے افراد کی انفرادی زندگیاں اعلیٰ مذہبی و اخلاقی اقدار کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہیں تو وہی قوم ترقی کے مراحل طے کر اوج ثریا تک پہنچ سکتی ہے اس لحاظ سے افراد کی انفرادی تربیت اقوام کی تعمیر و ترکیب اور نشوو نما کا بنیادی پتھر ہے۔

اور اگر بنیاد کا یہ پتھر ٹھیک طرح رکھ دیا جائے تو ظاہر ہے پوری عمارت (معاشرہ) درست بنیادوں پر استوار ہوگی اور اس کے افراد اپنی تہذیبی میراث کے حقیقی وارث کہلائیں گے لیکن اگر بنیاد کے اس پتھر کو درست طور پر نہ رکھا جائے یا نہ رکھا جا سکے تو ظاہر ہے جس عمارت کی بنیاد درست نہ ہوگی وہ عمارت مضبوط اور مستحکم نہ ہو سکے گی یہاں پر میری غرض قوم کے اجزائے ترکیبی یعنی افراد کے زمانہ طفولیت، بچپن و بلوغت سے ہے کہ اگر ان کی تربیت درست طور پر کی جائے تو آگے چل کر وہی بچے یا افراد ایک اچھی قوم تشکیل دے سکتے ہیں یا ایک قوم کا حقیقی سرمایہ کہلا سکتے ہیں ۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے افراد کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

افراد کی زندگیاں نہ صرف اس لیے اہم ہوتی ہیں کہ قوم کے مستقبل کا سارا انحصار ہی افراد پر ہوتا ہے بلکہ اس لیے بھی اہم ہوتی ہیں کہ معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ بہت سے لوگوں کے اعمال و افعال وابستہ ہوتے ہیں ہر شخص بہت سے افراد کے ساتھ متعلق ہوتا ہے یہ تعلق استاد و شاگرد کا بھی ہو سکتا ہے افسر و ماتحت کا بھی کلرک و چپڑاسی کا بھی ہو سکتا ہے اور آپس میں ایک درجہ کے افراد کا بھی۔ ان میں سے ہر تعلق اپنی جگہ اہم ہے کیونکہ انسان انسانوں سے ہی متاثر ہوتے ہیں اور انسانوں کی زندگیوں کے محاسن و مصائب کی طرف دیکھ کر ہی اپنے لیے راہ عمل منتخب کرتے ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسان کی زندگی پر اس کے والدین و گھریلو ماحول کے بعد اگر کوئی شخص سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے تو اس کا وہ استاد ہے جو اس کی ابتدائی عمر (طفولیت۔ بچپن۔ لڑکپن) میں اس کی تعلیم و تربیت پر مامور ہو ہمارے ہاں کے چند بڑے المیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ استاد و شاگرد کے درمیان حقوق و فرائض کا احساس ختم ہونے کے ساتھ استاد کی تربیت والی ذمہ داری بھی ختم ہو گئی ہے اور اب اس کے ذمہ صرف تعلیم دینا رہ گیا ہے اور ہمارے ہاں جو تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ بھی ارباب فکر و نظر سے پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ سطور بالا میں وضاحت کی گئی کہ اقوام، افراد سے مرکب ہوتی ہیں اور یہ کوئی انکشاف نہیں بلکہ امر واقع ہے کہ افراد جو کہ قوم کے اجزائے ترکیبی ہیں کی زندگیاں ہی قوم کے افکار و اعمال کا آئینہ ہوتی ہیں اور ان کے افکار و اعمال پر بہت بڑا اثر اس تعلیم و تربیت کا ہوتا ہے جو ان کی ابتدائی عمر میں انہیں دی جائے۔

کمیونزم کی تحریک کے آغاز میں اس کے علمبرداروں نے سب سے پہلے اپنے زیر اثر علاقوں میں اس تحریک کو پروان چڑھانے کے لیے طریق ہائے کار وضع کیے ان میں ابتدائی تعلیمی درس گاہوں میں کام کرنے کے لیے یہ طریق اختیار کیا گیا کہ ابتدائی درجہ (PRIMARY STAGE) کے بچوں کو سکول میں جب بیچ کو آغاز تدریس سے قبل یا دوران تدریس

کس وقت اکٹھا کیا جاتا تو ان سے کہا جاتا کہ بچو دعا مانگو کہ۔

"اے اللہ تعالیٰ ہمیں مٹھائی بھیج" اس دعا کے بعد کچھ دیر تک انتظار کے لیے کہا جاتا کہ اب دیکھتے ہیں اللہ ہمیں مٹھائی بھیجتا ہے...! جب کچھ دیر گزر جانے کے بعد مٹھائی نہ آتی تو ان کمسن بچوں سے جو کہ شعوری طور پر ناپختہ ہوتے ہیں یہ کہا جاتا کہ اچھا بچو اللہ نے تو مٹھائی بھیجی نہیں اب دعا مانگو کہ "اے اللہ ہمیں مٹھائی بھیج" بچے دعا مانگتے تو فوراً روشن دانوں سے مٹھائی برسنا شروع ہو جاتی جو کہ در حقیقت ان کے طے شدہ پروگرام کے تحت مقررہ ملازمین معینہ وقت پر روشن دان سے پھینکتے تھے۔

اس طرح ان بچوں کے دل و دماغ سے خدا کے تصور کو گدلا یا گیا جو بالآخر انکار کی صورت میں منتج ہوا اور ایک بہت بڑی قوم خدا کا انکار کرنے والوں کی پیدا ہوگی۔

غرض بیان یہ ہے کہ بچوں (جنہیں ہم بڑے طنطنے کے ساتھ قوم کے شاہین کہتے ہیں) کی تربیت جن خطوط پر کی جائے گی وہی آگے چل کر اس قوم کا کردار کہلائیں گے۔ اور یہی چیز اس قوم کے سیاسی، سماجی، اخلاقی اور معاشرتی و معاشی مسائل پر اثر انداز ہوگی۔

دور جانے کی ضرورت نہیں کل ہی کی بات ہے وطن عزیز کا ایک حصہ مشرقی پاکستان سے "بنگلہ دیش" میں تبدیل ہوگیا۔!

اس المیہ کی وجوہ میں یہ بات سرفہرست ہے کہ قیام پاکستان کے بعد وہاں کی نئی نسل کے اذہان کی نشو و نما اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے جو لوگ مامور ہوئے ان میں بڑی تعداد ان ہندو اور سوشلسٹ مدرسین کی تھی جو اس ملک کے اساسی نظریہ کے نہ صرف مخالف تھے بلکہ صاف لفظوں میں دشمن تھے۔

یہ انہی لوگوں کی تربیت کا فیض تھا کہ مشرقی پاکستانی عوام کا ایک طبقہ پاکستانیت کو ترک کر کے ۱۹۷۱ء میں "مکتی باہنی" کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ اور اس حادثہ کے اثرات و نتائج آج پوری دنیا کے سامنے ہیں۔

اس امر میں بحث کی گنجائش نہیں ہے کہ طلبہ، اساتذہ سے جو کچھ سیکھتے ہیں۔ وہ اس پر کاملاً اعتماد و ایقان ہی رکھتے ہیں یا نہیں!

ایک طالب علم جب کہ طالب علم کی حیثیت سے استاد کے سامنے بیٹھا ہو تو وہ اس شخص (استاد) سے شعوری یا لاشعوری طور پر ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اس کے اقوال بعد اعمال سے لامحالہ اثر قبول کرتا ہے۔

اور یہی چیزیں آگے چل کر اس کی زندگی میں دخیل ہو کر اس کا اپنا کردار بن جاتی ہیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اقوام کی ترکیب و تعمیر میں ایک معلم یا استاد سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے اب اگر ایک شخص کا مرتبہ اس قدر بلند ہے تو ظاہر ہے اس کے اندر کچھ اوصاف بھی لازمی طور پر ہونے چاہئیں پیشتر اس کے کہ ہم ان اوصاف حسنہ کی طرف انہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مذہب اسلام کی نظر میں استاد کی اہمیت اور اس کی جلیل المرتبہ حیثیت پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

معلم کی اہمیت

ایک مسلمان کے نزدیک خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام و فرامین (کتاب و سنت) سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ جل اعلیٰ قرآن مجید میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان معلمی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (الصف پ۲۸)

ترجمہ:۔ "وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی زبارت تلاوت کرتا، ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے"

اور خود نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (الحدیث)

بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے

ایک مرتبہ آنحضورؐ مسجد میں تشریف لے گئے تو وہاں دو حلقے قائم تھے جن میں سے ایک ذکر میں معروف تھا اور دوسرا درس و تدریس میں، آپؐ حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ اور فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

صرف انہی ارشادات سے معلم کے منصب کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں تاریخ اسلام سے بے شمار واقعات ایسے پیش کیے جا سکتے ہیں جن سے استاد (معلم) کی اہمیت، اس کی فضیلت اور اس کے

مقام و مرتبہ کی افادیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

معلم کے اوصاف

اب دیکھتے ہیں اسلام کی نظر میں معلم کے اندر کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسلام کی تاریخ میں حضور اکرمؐ سب سے پہلے معلم ہیں۔ اور آپ ہی مثالی (IDEAL) معلم ہیں اسلام معلموں میں آپؐ کی پیروی کا جذبہ اور کچی پیروی چاہتا ہے یعنی آپؐ نے کس طرح درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور اس کے کیا کیا اصول وضوابط مقرر فرمائے اسلام کسی بھی انسان میں سب سے پہلے جو چیز چاہتا ہے۔ وہ تقویٰ ہے اسلام نے زندگی کے سفر میں تقویٰ کو بہترین زاد سفر قرار دیا اور فرمایا۔

وَخَیْرُ زَادِ التَّقْوٰی (الحدیث)

ارشاد ربانی ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۔ (آل عمران پ۴)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت آئے

تقویٰ کے معنی خوف خدا کے ہیں ظاہر ہے جب کوئی شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے احکام پر بھی عمل کرے گا۔ جو کہ شریعت اسلامی کی شکل میں موجود ہیں اور جب وہ شریعت پر عمل کرے گا تو اس کے اندر وہ تمام اعلیٰ، دینی، اخلاقی، سیاسی، سماجی اوصاف پیدا ہو جائیں گے، جو کہ ایک اچھے انسان یا اچھے معلمؔ کا خاصہ ہوتے ہیں اور

وَقُوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (اور لوگوں سے خوش اسلوبی سے بات کیا کرو۔ (البقرہ پ۱) القرآن۔ پر عمل کرتے ہوئے وہ خوش اخلاق ہو جائے گا۔ اس میں خود داری بیدار ہو جائے گی اور وہ دوسروں کے سامنے دست سوال کرنے سے گریز کرے گا۔

وہ دوسرے انسانوں کی قدر کرنے لگے گا ان کی عزت کرے گا۔

اور انہیں زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے کی تدبیریں سوچتا رہے گا کیونکہ خیر النَّاس مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس (تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔ (الحدیث) کا منشا یہی ہے۔

قرآن حکیم وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (اور صبر کرو جب غم زیادہ کوئی مصیبت آئے۔ بے شک یہ اونچے کاموں میں سے ہے (لقمان پ۲۱) کے تحت اس میں صبر ایسی عظیم قوت پیدا ہو جائے کی مشکل آسانی اور (وَفِی الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ۰) (مصیبت کے وقت تکلیف کے وقت اور خوف کے وقت (البقرہ پ۲) کی حالتوں میں خدا ہی کی مدد کا طلب گار ہوگا۔

اس کی طبیعت میں نرمی پیدا ہو جائے گی کہ مَنْ یُّحْرَمِ الرِّفْقَ یُحْرَمِ الْخَیْرَ ۔ (جو نرمی سے محروم ہو گیا وہ خیر (بھلائی) سے محروم ہو گیا۔ (الحدیث) کا تقاضا یہی ہے۔

ان خصوصیات کا حامل انسان وسعت قلب کے جوہر سے بھی بہرہ ور ہو گا کہ افادۂ الناس کے لیے وسعت قلب کا ہونا از بس ضروری ہے اور اس میں اخلاص نیت پیدا ہوگا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات (بیشک اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے (الحدیث) سے یہی سبق ملتا ہے یہ ہیں وہ خصوصیات جن کا ایک معلم میں ہونا بے حد ضروری ہے

اگر ایک معلمؔ میں یہ خوبیاں جو انتہائی اجمالی طور پر بیان کی گئی ہیں موجود ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تربیت میں رہنے والے طلبا آنے والے وقت میں معاشرے کے ایک ذمہ دار اور باوقار شہری نہ ہوں اور ان کی زندگیاں احکام الٰہی کی فرمانبرداری اور خلق خدا کی خدمت کے لیے صرف نہ ہوں اس طرح نہ صرف وہ طلباء جو ایک متقی استاد (معلم) کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ دینوی و اخروی فلاح حاصل کریں گے۔ بلکہ ان سے متعلق انسانوں کا ایک انبوہ بھی فوز و فلاح کے حصول میں کامیابی حاصل کر سکے گا۔

معلم کے حقوق

وہ شخص جس کے افکار و اعمال پر اقوام کی نشو ونما اور اس کے مستقبل کا دارومدار ہے ایک نہایت ہی اعلیٰ وارفع منصب پر فائز ہے یہ تو ظاہر ہے کہ اسے اس کے منصب کے مطابق RESPECT (عزت) ملنی چاہیئے۔ اس کے بھی کچھ حقوق ہونے چاہیئں جن کی حدود میں رہتے ہوئے معاشرہ اس کی عزت و تکریم کرے اور اس سے اس کے منصب کے موافق سلوک کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اسلام معلم کے جو حقوق مقرر کرتا ہے ان میں اس کا احترام سب سے پہلی بات ہے اور استاد کے احترام کا درجہ اطاعت کے ضمن میں آتا ہے۔ اس احترام کی کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ استاد اور شاگرد کا تعلق " افادہ (فائدہ پہنچانا) اور استفادہ (فائدہ حاصل کرنا)" کا ہے وہ آپ کو خیر سکھلاتا ہے۔

خواہ کسی درجہ میں بھی ہو۔ اس بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول بڑا بلیغ ہے۔

مَنْ تعلمت منہ حرفاً فَاَنَا عَبْدُہٗ

ترجمہ: جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے میں اس کا غلام ہوں۔

اسلام توقیر کبیر کے معاملہ میں اس قدر سخت ہے کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔

مَنْ لَمْ یوقر کبیرنا فلیس منّا (مشکوٰۃ)

جو بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں

اور پھر طالبانِ علم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آوازوں کو استاد کی آواز سے اونچی نہ ہونے دیں۔ جہاں استاد کے احترام کا یہ عالم ہے وہاں دیگر آداب مجلس کا فوراً اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ استاد کے سامنے بیٹھنے، اس سے گفتگو کرنے اس سے سوال دریافت کرنے کے کیا آداب ہوں گے۔ تاریخ اسلام استاد کی عزت وتکریم اس کی عزت اور اس کے رعب و جلال کے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ اسلام کے ماننے والوں نے استاد کو کس طرح بلند مقام پہ فائز کیا اور استاد نے بھی اپنے مقام و مرتبے کا کس طرح پاس کیا۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے حضرت امام مالکؒ سے عرض کی کہ آپ میرے پاس تشریف لاکر مجھے حدیث پڑھا دیا کریں۔ آپؒ نے اس بات سے انکار کیا اور فرمایا کہ تمہیں تو علم کو سربلند کرنا چاہیئے جب خلیفہ وقت ہی علم کی تذلیل پہ اتر آئے تو علم کی شان کیسے قائم رہے۔!

معلم کے فرائض

ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ معلم پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ جو اس سے کچھ سیکھنا چاہیں نہایت خوش اسلوبی سے پیش آئے۔

ان کی کسی بات سے جھنجلاہٹ، اکتاہٹ کا اظہار نہ کرے ان کے سوالات کے جواب دینے میں بخل یا سستی کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی اظہار ناپسندیدگی سے کام لے۔

اپنے فرائض کی بجا آوری میں نہایت تندہی و مستعدی کا مظاہرہ کرے اپنے ساتھیوں سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

اپنا طرز عمل ایسا نہ رکھے جس سے طلباء اور خود اس کے درمیان دوری یا فاصلے پیدا نہ ہونے کا امکان ہو۔ حتی الوسع طالب علم میں گھل مل کر انہیں سمجھانے کی کوشش کرے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ اس کا مرتبہ بہت بلند ہو خود کو بڑا نہ سمجھے اور کبھی خود کو غلطی و لغزش سے مبرا نہ سمجھے۔

تعلیم کے لیے اہل لوگوں کا انتخاب کرے اور زیادہ سے زیادہ اشاعت علم کے لیے سرگرداں رہے۔

اپنی وضع قطع اور لباس گفتگو اور دیگر معاشرتی اعمال میں شائستگی اور وقار کو ملحوظ رکھے کسی بھی مرحلے پر چھچھورے پن کا اظہار نہ کرے۔

سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ اپنی نیت میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے۔

یہ تھیں نری عمارت کی تعمیر، معمار اور اس کی بنیادوں کے متعلق چند اصولی باتیں اب آیئے ذرا ان کی روشنی میں اپنے حال اور اس کے مال پہ بھی ایک نظر ڈال لیں۔

ہمارے ہاں درس و تدریس کے دو طریقے رائج ہیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ ہمارے گرد و پیش جو علم "تقسیم" ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں جن میں

اولاً: دینی علوم

ثانیاً: دیگر علوم و فنون (میڈیکل انجینئرنگ، زراعت، ریاضی، تاریخ، فلسفہ وغیرہ)۔ ان علوم کے حصول کے لیے ہمارے ہاں جو مکاتب قائم ہیں ان میں اول الذکر کے لیے سکول، کالج اور یونیورسٹی کی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں

ان دونوں مقامات پہ درس و تدریس کے قواعد و ضوابط میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دینی مدارس

ہماری ملی تاریخ میں دینی مدارس کے علماء طلباء نے وہ ناقابل فراموش کارنامے سرانجام دیئے ہیں جو آکسفورڈ اور کیمبرج کے تعلیمیافتہ بھی نہ دے سکے اور دینی مدارس سے متعلق لوگوں نے بھی تاریخ میں وہ انمٹ نقوش قائم کیے جو لوح عالم پر جلی حروف میں کندہ رہیں گے۔

بے شمار علماء کرام کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ جن کی تربیت میں ان کے والد یا ایک خاص استاد کے ساتھ دینی مدارس کا بھی عمل دخل رہا۔

لیکن زمانے نے جہاں اور بہت سی روایات و سنابات کے نقوش کو گہنا کر دیا وہاں دینی مدارس کے ماحول و انداز میں بھی وہ پہلے سی رونق و کشش نہ رہنے دی جو ان کا خاصہ سمجھی جاتی تھی

آج دینی مدارس کے طلبہ جنہیں اصولی طور پر دین متین کا وارث ہونا چاہیئے ان شرائط پر کما حقہ پورے نہیں اترتے جن کا اسلام ایک عالم یا طالب علم سے تقاضا کرتا ہے۔

بعض مدارس کا ماحول کسی حد تک آلودہ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں کے اساتذہ کرام خود کو طلبا سے ایک بہت بلند مقام پر فائز کر کے انہیں خطاب کرتے ہیں۔

استاد کے مقام و مرتبہ کی بڑائی و بلندی میں کوئی شبہ نہیں مگر جب وہ خود کو اس درجہ کی بلندی پر فائز کر کے جہاں سے دوسری مخلوق حقیر نظر آنے لگے تو بڑائی کا یہ احساس نقصان دہ ثابت ہوتا ہے

ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ جس سے دینی مدارس کے وہ طلبا جو شعوری طور پر غیر پختہ ہوں بیرونی دنیا کو اپنے سے بلند درجے کا سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ دینی علوم کے طلباء کا ایک مقام ہے۔ جو عصری علوم کے طلباء کو میسر نہیں اس کی بنیادی وجہ جدید تعلیمیافتہ طبقے کے انداز رہن سہن، طرز معاشرت، گفتگو وغیرہ سے متاثر اور دور ہونا ہے۔ مقصد یہ نہیں کہ دینی مدارس کے طلبہ کو جدید نظام حیات میں ضم کر دیا جائے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ جدید نظام حیات سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر تو جدید نظام حیات جدید ایجادات آسائشوں اور طرز زندگی سے احکام اسلامی کے مطابق متمتع ہونے کا نام ہے تو میرے خیال میں اس سے دور رہنے یا کسی کو دور رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ہاں اگر جدید نظام حیات صریح مغربیت، شعائر اسلامی کے مذاق اڑانے اکابر و سلف کی توہین کرنے کا نام ہے تو اس سے بچنا بلکہ اس پر لعنت بھیجنا ہی ضروری ہے۔

دیگر تعلیمی ادارے

ہمارا نظام تعلیم (ابتدائی، ثانوی، بالائی) پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے دو درجے ہمارے موضوع کے تحت آتے ہیں کہ ملی نشوونما کی بنیادیں پڑنے کا عمل یہیں تک ہوتا ہے اس کے بعد عمارت کی تعمیر ہو جاتی ہے۔

سکول

ہمارے نظام تعلیم میں سب سے ابتدائی درجہ پرائمری سکول کا ہے اور اس کے بعد مڈل اور ہائی سکولز ہوتے ہیں۔

پرائمری سے لے کر مڈل تک سکول وہ مقام ہے جہاں بچے کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ کیونکہ ماں باپ اور بہن بھائیوں کے شفیق ماحول سے نکل کر ایک بچہ سب سے پہلے سکول ہی میں داخل ہوتا ہے اور والدین کے بعد پہلی مرتبہ کسی دوسرے (استاد) کی زیر نگرانی زندگی گذارنے کا آغاز کرتا ہے۔ سکول میں گذارے ہوئے اوقات اور یہاں کا ماحول بچے کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ بچہ اس وقت شعوری طور پر غیر پختہ ہوتا ہے اور اپنے برے اور بھلے میں کما حقہ امتیاز نہیں کر سکتا۔ اس وقت اس کا استاد اسے جو کچھ بتا دے گا اس کے لئے وہی حرف آخر ہو گا اور اس زمانے میں اس کی تربیت جن خطوط پر کی جائے وہی آگے چل کر اس کا کردار بنیں گے۔ اس وقت بچہ پہلی مرتبہ دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس سے لاشعوری طور پر اثر قبول کر لیتا ہے۔ اور اس وقت سکول کا ماحول ہی اس کے لئے پوری دنیا ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں بہت سے والدین اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری انہیں سکول میں داخل کرا دینے کے بعد ان کے اساتذہ کو سونپ دیتے ہیں اور ویسے بھی شاگرد کی تربیت والدین کے بعد استاد کا ہی ذمہ ہوتی ہے۔

جب کردار سازی کی ذمہ داری اساتذہ پر آن پڑی اب اگر استاد اچھا ہے اس کا کردار ایک مثالی کردار ہے تو وہ اس بھٹی کی مانند ہے جس میں پڑ کر سونا کندن بن کر نکلتا ہے لیکن اگر بدقسمتی سے استاد ہی وہ میسر آئے جو چار پانچ سو روپے کے عوض اپنے دماغ کو خرچ نہ کرنا چاہتا ہو۔ جو اپنی ذمہ داری کو اس کے متعلق صرف چند اشارات دے دینے ہی کو سمجھتا ہو جو خود کو ایک بے ضرر انسان یا غیر ذمہ دار انسان سمجھتا

ہو یا جو خود استاد نہ بنا ہو بلکہ حالات نے اسے استاد بنا دیا۔

● یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ہمارے ہاں معلم کے انتخاب کی اہمیت کو نہیں پہچانا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ جنہیں میٹرک پاس کرنے کے بعد کہیں کوئی ملازمت نہ ملتی ہو کوئی محکمہ انہیں قبول کرنے کو تیار نہ ہو تو وہ (پی ٹی سی) نامی کورس کرکے ٹیچر بھرتی ہو جاتے ہیں۔

ایسے اشخاص جنہیں صرف گردش روزگار استاد بنا دیتی ہے اور نہ تو اپنے منصب کی اہمیت کو پہچانتے ہیں اور نہ ہی اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں (الا ماشاء اللہ) تو ایسے شخص کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے بچوں کا مستقبل خوش آئند نہیں کہلا سکتا۔

حالانکہ اس وقت بچوں کے لئے ایسے استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو ایک اچھے استاد کی صفات سے بہرہ ور ہو۔ جس میں خدمت خلق اور افادۃ الناس کا ایک جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو جس کے اعمال و افکار احکام الٰہی کے مطابق ہوں جو طلبہ کو نہ صرف یہ کہ حکومت کا مقرر کردہ نصاب پڑھائے بلکہ اپنے شاگردوں کی دینی و اخلاقی تربیت کے فرائض بھی سرانجام دے۔

ایک استاد کو اس ارشاد نبویؐ

کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ ○ الحدیث

ترجمہ (تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا)

پر بطور خاص غور کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ایک رئیس سلطنت کی مانند ہیں۔ جس میں ان کے شاگرد رعایا ہیں۔ اور وہ اپنی رعایا کے ہر فرد کے بارے میں جواب دہ ہیں کہ تم نے اس کے افکار و کردار کو کن خطوط پر استوار کیا ــــ؟

اساتذہ کی ایک تعداد تو وہ ہوتی ہے جس کا ذکر پہلے گزرا کہ جو استاد بنے نہیں ہوتے بلکہ گردش روزگار نے انہیں استاد بنا دیا ہوتا ہے اور دوسری تعداد ان اساتذہ کی ہوتی ہے جو بعض دیگر وجوہ سے استاد کے روپ میں جلوہ گر ہوتے ہیں ان کی بھی ایک کثیر تعداد اپنے فرائض میں غفلت برتنے کی مرتکب ہوتی ہے ان کی زبان کا اخلاق و کردار ایسا مثالی نہیں ہوتا کہ بچوں کو ان سے کسی اعلیٰ مذہبی یا اخلاقی درس ملنے کی توقع رکھی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جو بچے اپنی گھریلو زندگی میں گالی گلوچ اور دیگر فواحش و منکرات سے نا آشنا ہوتے ہیں وہ سکول میں جاکر اور کچھ سیکھیں یا نہ سیکھیں یہ چیزیں ضرور سیکھ جاتے ہیں۔

● تربیت کی راہ میں صرف یہ رکاوٹ معقول نظر آتی ہے کہ طلبہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور ایک شخص چالیس پچاس طلبہ کو کیسے کنٹرول کر سکتا ہے۔ اس کے لئے حکومت کو چاہیئے کہ اساتذہ کی تعداد بڑھا دی جائے اور فارغ التحصیل طلبہ (بالائی درجہ کے) سے بھی کچھ نہ کچھ درس و تدریس کا کام لیا جائے۔

ع تقویر تو اے چرخ گرداں تو نہ

کالجز

سکول کی زندگی کے بعد کچھ طلباء اخراجات نہ ہونے کے سبب سلسلہ تعلیم منقطع کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور کچھ طلباء اس جانب طبعی میلان نہ ہونے کے باعث راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور پھر یہ مختلف قسم کی دست کاریوں میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ ایسے نوجوان جو اپنا سلسلہ تعلیم سکول لائف کے بعد منقطع کر لیتے ہیں ان کے ذہنوں پر ایک درسگاہ یا تعلیمی اداروں کا وہی نقشہ ثبت ہوتا ہے جس کا مشاہدہ انہوں نے اس سکول میں کیا ہوتا ہے جس میں انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اور تعلیم اور ارباب علم کے متعلق ان کے وہی نظریات ہوتے ہیں جو اپنے چھوڑے گئے سکول اور اس کے اساتذہ کے متعلق۔ طالب علموں کی ایک بڑی تعداد سلسلۂ تعلیم جاری رکھتے ہوئے سکول سے فراغت کے بعد کالج میں داخل ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں کالجز کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ مثلاً ڈگری کالجز، کامرس کالجز، ٹیکنیکل کالجز، زرعی کالجز وغیرہ وغیرہ۔ کالجز مختلف

ہیں کہ حالت ایک ہے۔ المختصر کالجز کی مجموعی حالت ایک ڈرامیٹک کلب (DRAMATIC CLUB) سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ استاد کا احترام جو کہ سکول کی زندگی کے دوران کسی نہ کسی درجے میں موجود ہوتا ہے یہاں آکر مفقود ہو جاتا ہے۔ طالب علم کالج میں آکر کھلی فضا میں سانس ضرور لیتے ہیں مگر یہ آزادی ان کے لئے ایسی ہی ثابت ہوتی ہے جیسے سردیوں کے موسم میں لحاف سے نکل کر یکدم کھلی ہوا میں آجانے سے بخار ہو جاتا ہے۔

بلکہ یہ آزادی انکی اخلاق و سماجی صحت کے لئے بھی مضر ثابت ہوتی ہے۔ وقت کی پابندی، توقیر کبیر، احساس ذمہ داری، مستقبل پر نظر ایسے خیالات مفقود ہوتے ہیں۔ اور سیاسیات میں الجھ کر اکثر اوقات وہ پڑھائی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ کالجز کے طلباء کالج کے نظم و نسق کو اپنی لونڈی سمجھتے ہیں اور انتظامیہ کو اپنے ہاتھ کا کھلونا اور نوذ شتر بے مہار کی طرح پھرتے ہیں۔

ان کی اس بے جا دیدہ دلیری پر اسپرنگ کی مثال صادق آتی ہے کہ اسے جس قدر زور سے آپ دبائیں گے وہ اتنا ہی دب جائے گا۔ اب اگر آپ اس پر اپنا دباؤ ایک دم کاملاً ختم کر دیں تو وہ شدت کے ساتھ اس طرح اچھلے گا کہ اس کے متعلق آپ یہ اندازہ بھی نہ لگا پائیں گے کہ اب یہ کس سمت گرے گا۔

یہ تو طلباء کے ایک بہت بڑے طبقے کی اپنی حالت تھی جسے نہ مذہب سے کچھ لگاؤ ہے نہ پاکستان سے۔ اس کے نزدیک نہ اخلاقی اقدار کوئی چیز ہیں نہ سماجی روایات، اب ایسی حالت میں اگر اسے استاد بھی وہ میسر آتے جو ملک کے اساسی نظریہ پر ہی اعتقاد نہ رکھتا ہو اور جو نظریاتی دشمن ہونے کے باوجود درس گاہوں میں بیٹھ کر اپنے مذموم عقائد کا پرچار کر رہے ہوں اور نوجوان نسل کے اذہان کو اپنے فاسد عقائد کی تبلیغ سے پراگندہ کر رہے ہوں تو پھر خود سوچ لینا چاہیئے کہ وہ طلباء آگے چل کر کیا کیا کارنامے سرانجام دیں گے۔

اسی لئے اقبال نے کہا تھا۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

اور آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ خداوندانِ مکتب کو اگر ایک طرف چھوڑ بھی دیں تو دوسرا اہم مسئلہ نصابی کتب کا آن پڑے گا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری نصابی کتب کا ایک بڑا حصہ ہماری مذہبی و ملی اقدار سے ہم آہنگ نہیں ہے اس مختصر مضمون میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس لئے صرف ایک چھوٹی سی مثال پر ہی اکتفا کروں گا کہ

حیات نبی علیہ السلام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اور چودہ صدیوں میں آج تک اس عقیدہ کے بارے میں جمہور علماء میں اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ یہ عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ تک متفق علیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور تابعین کی سو سے زیادہ احادیث اور ارشاد اس کے بارے میں وارد ہیں۔

● ایسے اساتذہ کی ہمارے ہاں کمی نہیں ہے۔ تعلیمی اداروں میں ایک بڑی تعداد ملک دشمن اور اسلام دشمن اساتذہ کی موجود ہے جو اپنے عقائد کی تبلیغ میں کہیں زیادہ مصروف ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت خفیہ سروے کے ذریعے ایسے اساتذہ کی فہرستیں تیار کروائے اور انہیں بلا تاخیر معطل کیا جائے اور اہل علم و واقفان حال کا بھی فرض ہے کہ وہ حکومت کے متعلقہ اداروں کو ایسے افراد کی رپورٹیں بھی خفیہ طور پر بھیجیں۔

مگر پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ نے انٹرمیڈیٹ کے لئے انگلش کی جو کتاب ENGLISH BOOK ONE (SHORT STORIES) شائع کی ہے۔ اس میں ایک LESSON (سبق) شاہراہ مشرق THE ROAD TO THE EAST کے نام سے ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۱۹ پر یہ عبارت درج ہے۔

"KUBLAI KHAN WAS NOT HIMSELF A CHRISTIAN, BUT HE WAS INTRESTED IN WHAT THEY TOLD HIM OF CHRIST'S AND TEACH ONE HUNDRED MISSIONARIES TO PREACH TO HIS PEOPLE, AND ALSO SOME

مرزا طاہر کے شاطرانہ انٹرویو پر ناقدانہ نظر

جناب مولانا سعید احمد جلال پوری

دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ "ہم ایک سیاسی جماعت تو نہیں" جناب مرزا طاہر صاحب کے اس فقرہ سے ایک غبی الذہن تو یہی سمجھے گا کہ یہ لوگ دنیا و مافیہا سے غافل اپنی مذہبی سرگرمیوں کے علاوہ کسی دنیاوی یا سیاسی امر میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں گے۔ اس لیے کہ غیر سیاسی ہونے کے معنی بھی تو یہی ہیں ۔ مگر اس کے خلاف جب ہم قادیانیت کی نام نہاد مذہبی پالیسی کا جائزہ لیتے ہیں تو قول و عمل کے اس عظیم تضاد کو دیکھ کر ان کے ذہنیات پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ایک طرف تو قادیانی آرگن یہ اعلان کرتا ہے کہ

"عرب ممالک میں بے شک ہمیں اس قسم کی اہمیت حاصل نہیں جیسی ان (یورپی اور افریقی) ممالک میں ہے۔ پھر بھی ایک طرح کی اہمیت ہمیں حاصل ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ فلسطین کے عین مرکز (اسرائیل ناقل) میں اگر مسلمان رہے تو وہ صرف احمدی رہے"

(الفضل ۳۰ اگست ۱۹۵۰ء)

جب کسی اسلامی حکومت نے اس استعماری آلہ کار کو زندہ رہنے کی اجازت نہیں دی تو مرزائیوں کا وہاں رہنا اور اس پر فخر و مباحات کے ساتھ اعلان کرنا کھلی استعمار دوستی نہیں تو کیا مذہبیت کا مظاہرہ ہے؟ اس کے علاوہ اسرائیل میں موجود قادیانی مشن کی یہ تاویل کرنا کہ "اس کا ربوہ سے رابطہ نہیں بلکہ وہ انڈیا کے مرکز قادیان کے ماتحت ہے" کیا حیثیت رکھتی ہے جبکہ ربوہ اسٹیٹ کے بجٹ میں اسرائیلی مشن کا مزانیہ شامل ہو اور مزید یہ کہنا کہ "اسرائیل میں قائم مشن سیاسی نہیں بلکہ تبلیغی ہے اور پھر اسرائیلی استعمار کا (جسکو مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں) قادیانیوں کے لیے اپنی فوج میں بھرتی کے دروازے کھول دینا کیا کم ثبوت ہے کہ مرزائی اسرائیل یہودیوں سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں ورنہ فوج ایسے بنیادی ادارہ میں کسی غیر ملکی تو کیا جب نظریاتی مخالف کو برداشت نہیں کیا جا سکتا تو قادیانی بھرتی اس کا منہ بولتا ثبوت نہیں کہ مرزائی سیاسی طور پر اسرائیل کے ہمنوا ہیں؟ جیسا کہ "اسرائیل اے پروفائل" میں اس کا انکشاف کیا گیا کہ ۱۹۷۲ تک اسرائیلی فوج میں چھ سو پاکستانی قادیانی شامل ہو چکے ہیں (نوائے وقت لاہور صـ ۵ ۲۹ دسمبر ۱۹۷۵) اس کے علاوہ مذہبی لوگ جہاں کہیں بھی ہوں وہ دہشت گردی سے کنارہ کشی اپنی مذہبی روایات کو بجا لانے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں اور خاص کر اسلام کا دعوے دار تو اپنی رہائش کے لیے کسی اسلامی اسٹیٹ کو ہی ترجیح دے گا جبکہ قادیانی سربراہوں کی دلی خواہش تھی اور ہے کہ پاکستان پھر سے ٹوٹے اور اکھنڈ بھارت ہو جائے چنانچہ جب ۱۹۷۱ء میں پاکستان اپنے ایک بازو سے محروم ہو گیا تو اس دن جہاں تمام مسلمانوں کے ہاں صف ماتم بچھی ہوئی تھی وہاں قادیانی مرکز (خواہ ربوہ ہو یا قادیاں) میں اس خوشی سے چراغاں کیا گیا۔ کیا یہ مرزا طاہر کے علم میں نہیں یا پھر سابقہ روش پر چلتے ہوئے "مرزا جی" نے اپنے آبائی وطیرہ کو دہرا کر ناواقف مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ آگے مزید لب کشائی ہوتی ہے۔ "یہ پہلا واقعہ تو نہیں ہے سو سال سے ہم مظالم برداشت کر رہے ہیں اپنے ایمان کی خاطر"۔

مرزا جی نے اگرچہ سنبھال کر بولنے کی کوشش کی مگر بے اختیار جھوٹ نکل ہی گیا کہ ہم سو سال سے مظالم برداشت

کرتے چلے آرہے ہیں حالانکہ ۱۹۴۷ء تک تو وہ بے خوف اپنی شفیق اور "روحانی مادر" کی گود میں خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے اس کے بعد ۴۷ سے ۸۴ء تک صرف ۳۷ سال کے عرصہ میں بقول ان کے ان پر مظالم ڈھائے گئے تو ان کا سو سال کہنا کیونکر صحیح ہو گا؟ قیام پاکستان سے پہلے مرزائیوں کو جو چین وسکون اور مذہبی سرپرستی حاصل تھی، مسلمان کلیتاً اس سے محروم تھے۔ اگر کہیں سے اکا دکا ایسے ناخوشگوار واقعات کا صدور ہو بھی جاتا تو جب تک قادیانی کلیجہ کو ٹھنڈک نہ پہنچ جاتی انتقامی آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانی، استعمار سرپرستی کے نشے میں ظلم و بربریت کی آخری حدود تک جا پہنچے تھے اور ان کے ظلم کی آگ غیروں سے گزر کر اپنوں تک جا پہنچی تھی چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود اور مرزائی امت نے قصبہ قادیان کے مسلمانوں سے جو ناروا سلوک کیا وہ مسلمہ تاریخ ہے۔

ان کے ظلم سے تنگ آکر ان کے ہم مذہب بھی ان سے ناراض ہو گئے۔ اور دسمبر ۱۹۴۴ء کے آخر میں قادیانیوں نے مرزا بشیر الدین محمود کے مظالم سے تنگ آکر "انجمن انصار احمدیہ" کی بنیاد رکھی اور اس کے اجلاس میں جو قرار داد منظور کی گئی وہ حسب ذیل ہے

"۱۔ انجمن انصار احمدیہ قادیان کا یہ جلسہ حکومت پنجاب سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ قادیان میں جو مظالم ہم مظلومین پر مرزا محمود خلیفہ قادیان کی طرف سے کیے جاتے ہیں، جس سے ہمارا عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے۔ ان کی تحقیقات فرما کر ہم لوگوں کو مصائب سے نجات دلائی جائے تاکہ ہم لوگ بھی ملک معظم کی دیگر رعایا کی طرح عام شہریوں جیسی زندگی بسر کر سکیں۔

۲۔ انجمن انصار احمدیہ کا یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ ہم لوگ قادیان میں اپنی جائیدادیں چھوڑ کر اپنے رشتہ داروں کو قربان کر کے احمدیت کی خاطر قادیان میں آئے ہوئے ہیں مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان نے ہم لوگوں کا بائیکاٹ اور مقاطع کرنا۔ ہماری دکانوں پر پکٹنگ لگانا۔ ہمارے مکانوں پر پہرہ دلوانا، جاسوس مقرر کرنا ظلم عظیم ہے۔ ایسے مظالم کی کوئی اخلاق، مذہب اور قانون بھی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے حکومت پنجاب سے التجا ہے کہ وہ قانونی ذرائع سے ان مظالم کا انسداد فرما کر ہماری داد رسی فرمائیں۔

۳۔ انجمن انصار احمدیہ کا یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ ریزولیشنوں کی نقول حکومت پنجاب حکام ضلع گورداسپور اور لیڈر اپوزیشن اسمبلی اور پریس کو بھیج دی جائیں۔"

(حکیم عبدالعزیز احمدی سیکرٹری انجمن انصار احمدیہ قادیان)

(بحوالہ کاروان احرار تاریخ آزادی برصغیر
ج ۶ ص ۱۲۹

سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کی ظلم کی چکی سے بیگانے تو بیگانے اپنے بھی نہ بچ سکیں وہ ظالم کہلائیں گے یا مظلوم؟ پھر مظلومین (مرزائیوں) کی داستانِ مظلومیت اٹھا کر دیکھئے تو قیام پاکستان کے بعد مرزا بشیر الدین نے بلوچستان میں ایک مرزائی اجتماع سے تقریر کرتے ہوئے کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار کر کے اپنی نام نہاد مظلومیت کا مظاہرہ کیا کہ "۵۲ کو گزرنے نہ دو کہ بلوچستان پر تمہارا تسلط ہو جائے اور مسلمان ذلت وخواری سے قیدیوں کی طرح تمہارے (مرزائیوں) قدموں میں آگریں۔" اس بیان سے مسلمان مشتعل ہو گئے کیونکہ اس نے مسلمانوں کو للکارتے ہوئے جلتی پر تیل کا کام دیا تو ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت چلی جس میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ۳۵، ۴۰ ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ بالآخر مرزائی مشنری کے زور سے یہ تحریک کچل دی گئی اس کے ٹھیک ۲۰ سال بعد ربوہ اسٹیشن پر صرف نعرہ ختم نبوت کی پاداش میں ختم نبوت کے جانثار طلباء پر ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا گیا جس کے نتیجے میں ۷۴ء کی تحریک چلی اور انہیں آئینی طور پر ملت اسلامیہ کے جسد اطہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ اُن کی مظلومیت کی داستان یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ ۸۳ فروری کو مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا محمد اسلم قریشی کو سیالکوٹ سے اغوا کر لیا جس کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔ اگر ایسے لوگ اپنے آپ کو مظلوم سے تعبیر کریں تو قسم بخدا لفظ ظلم کو ڈکشنری اور لغت سے نکال پھینکنا چاہیے کیونکہ پھر اس کا مصداق کم از کم ایک انسان نہیں ہو سکتا۔

حضرت نانوتویؒ نے فرمایا

"میری خواہش ہے کہ دارالعلوم کا ہر تعلیم یافتہ انگریز کے محل میں شگاف کر دے۔ اور اس مدرسہ کا ہر فیض یافتہ سامراج کے لیے زہر قاتل بنے۔ انگریز کے خلاف بغاوت کے جرم میں خواہ دارالعلوم کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ جنگ بہر حال جاری رہے گی" اتباع سنتِ رسول کے پیکر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں "خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں، اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں" والد صاحب نے خواب سن کر فرمایا کہ "تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہو گا" چنانچہ سر سید احمد لکھتے ہیں۔

"امام غزالی کے بعد اسلام میں مولانا قاسم نانوتوی جیسے بڑا فلسفی آج تک نہیں گزرا"

بقیہ :۔ مرزا قادیانی اپنے صحابی کی نظر میں

ہمارے خیال میں علاوہ ان وجوہات کے سب سے بڑی وجہ جو اختلاف کا باعث بنی وہ یہ تھی کہ مرزا غلام احمد مسلمانوں کو کافر کیوں کہتا ہے۔

مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے نے کلمۃ الفصل صفحہ ۴۹ پر ٹھیک لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے عبدالحکیم خاں کو جماعت (مرزائیہ) سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا تھا۔

بقیہ :۔ اداریہ

کی ساعتوں سے ہم کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکے تو ابھی بھی وقت ہے کہ ہم اپنی زندگیوں سے فائدہ اٹھا کر رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کر کے اپنی مغفرت کا سامان کر سکتے ہیں، اور خدا نخواستہ اگر زندگی کی یہ ساعتیں بھی ہاتھ سے چلی گئیں تو کف افسوس ملنے کے علاوہ پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا۔!

بقیہ :۔ خصائل نبویؐ

فائدہ :۔ جہاد ہر وقت اور ہر زمانہ میں مختلف انواع سے رہا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک جہاد سیفی تھا کہ تلوار سے باہم فیصلہ ہو جائے، دوسرا جہاد لسانی تھا کہ رقیق اشعار و قصائد پڑھے جائیں اور ان اشعار میں مقابلے ہوتے تھے اپنے فخر کے واقعات ذکر کئے جاتے تھے جیسا کہ آج کل مناظروں کا طرز ہے۔ ایک مرتبہ بنو تمیم کا وفد آیا ان کے ساتھ ان کا شاعر اقرع بھی تھا انہوں نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مناظرانہ دعوت اشعار اور فخریہ مضامین بیان کرنے کی دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت نہ تو اشعار کے لیے ہے نہ فخر کے لیے تاہم یہ مناظرہ بھی کر لو اوّل ان کا مقرر کھڑا ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو حکم فرمایا کہ مقابل پر تقریر کریں اس کے بعد ان کا شاعر کھڑا ہوا جس کے جواب کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو حکم دیا دونوں مناظروں میں مسلمانوں کو غلبہ رہا اور سب سے اوّل ان کا شاعر مسلمان ہوا۔ غرض اشعار کا مقابلہ اس وقت کا عام دستور تھا اور یہ اشعار کثرت سے نقل کیے جاتے تھے اور یہ اشعار ان پر مؤثر بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ اسی باب کی پانچویں حدیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے مسلم شریف میں یہ روایت حضرت عائشہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وارد ہے کہ ہجو قریش کے لیے تیر برسانے سے زیادہ نافع ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں استیعاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اشعار کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی، اس قصہ کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ یہ اشعار ان پر ایسے جا کر لگتے ہیں جیسے تیر۔

WEEKLY **Khatme-Nubbuwat** KARACHI
Registered S. No. 3220

نعت

یہ محبوب خدا کا آستاں ہے
جہاں ہر دم نزولِ قدسیاں ہے

یہاں پر بھر گیا ہر ایک دامن
یہاں جو آگیا ہے، کامراں ہے

سنی جاتی ہیں اشکوں کی دعائیں
یہاں حیرت دلوں کی ترجماں ہے

وہی ہے مطلعِ صبح درخشاں
اسی کا نور وجہ کن فکاں ہے

سرودِ زندگی ہے یاد اس کی
حریمِ جاں میں وہ آرام جاں ہے

ندامت سے نگاہیں جھک رہی ہیں
دلوں کا درد آنکھوں سے عیاں ہے

ہے طیبہ سب کے ارمانوں کی بستی
درِ اقدس پناہِ بے کساں ہے

کہاں میں اور کہاں دربارِ اقدس
یہ حافظ سب کرم کی داستاں ہے

حافظ لدھیانوی